پاکستان میں جمہوریت اور آئین

قائداعظم کی نظر میں

ڈاکٹر ریاض احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد

قائداعظم کا پختہ ایمان تھا کہ پاکستان میں جمہوریت پروان چڑھے ۔ ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جو جمہوری تقاضوں کو پورا کرے ۔ پھر ملکی آئین بھی ایسا ہونا چاہئے جو روح جمہوریت کے مطابق ہو اور مشکل ترین سیاسی حالات میں ہر مسئلے کا حل پیش کرے ۔ ایسا نہ ہو کہ ملک بار بار آئینی بحرانوں کا شکار رہے ۔

پاکستان بننے کے بعد قائداعظم ملک کے پہلے گورنر جنرل بنے اور لیاقت علی خان کو پاکستان کا پہلا وزیر اعظم بنایا گیا ۔ اس طرح قائداعظم نے کم و بیش ملک میں پارلیمانی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ۔ اس بات کا اقرار قائداعظم نے اپنے خطاب کے دوران ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو چٹاگانگ میں اس طرح کیا ۔ "یہ عوام کی حکومت ہے جو عوام کے سامنے جوابدہ ہے ۔ یہ حکومت کم و بیش جمہوری اور پارلیمانی طرز پر چل رہی ہے (۱) "۔ یہاں "کم و بیش" سے مراد ہے کہ نہ یہ حکومت اس طرح کی مکمل طور پر پارلیمانی ہے جیسا کہ انگلستان میں ہے جہاں وزیر اعظم کو انتظامی اختیارات کلی طور پر حاصل ہیں اور نہ ہی صدارتی ہے جیسا کہ امریکہ میں ہے جہاں صدر کو کلی طور پر اختیارات کے استعمال کا حق حاصل ہے ۔ اگرچہ اس پر قدغن لگانے کا حق ایوان بالا یعنی سینیٹ کو حاصل ہے ۔ اس طرح صدارتی اور پارلیمانی طرز کے مابین ایسا حکومتی ڈھانچہ تجویز کیا گیا جس میں صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات کی تقسیم ہو ۔

۲۶ فروری ۱۹۴۸ء کو امریکی سفیر نے اپنے ملک کی طرف سے کاغذات سفارت پیش کئے ۔ امریکی سفیر کے خطاب کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا کہ تحریک پاکستان کے دوران امریکی جمہوریت نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیا ۔ ایک اور موقع پر اسی قسم کے خیالات کا اظہار قائداعظم نے کیا جب فرانسیسی سفیر نے اپنے کاغذات سفارت پیش کئے ۔ قائداعظم نے فرمایا کر فرانسیسی انقلاب کے آزادی، بھائی چارے اور مساوات کے نظریات نے پاکستانیوں کو بہت متاثر کیا (۲) ۔ قائداعظم نے اپنے سیاسی کردار میں کئی بار ایسا کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امریکی نظام اور نظریہ سے متاثر تھے ۔ جنگ عظیم اول (۱۸ ۔ ۱۹۱۴ء) کے دوران امریکی صدر وڈرو ولسن نے یورپی اقوام کو حق خود اختیاری دلانے کے لئے اپنا چودہ نکاتی فارمولا پیش کیا جس کے مطابق جنگ بندی کے بعد مشرقی یورپ میں کئی قومیں اور ملک معرض وجود میں آئے ۔ امریکی صدر کے اس نظریئے سے متاثر ہو کر قائداعظم نے بھی برصغیر پاک و ہند کے مسائل کو یورپی مسائل سے تشبیہ دے کر ان کے حل کے لئے امریکی امداد طلب کی ۔ پھر ۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کر دیا گیا تو قائداعظم نے امریکی صدر کی تجاویز کی طرز پر ۱۹۲۹ء میں اپنا ۱۴ نکاتی پروگرام پیش کیا (۳) ۔

قائداعظم کا خیال تھا کہ پاکستان میں کچھ رد و بدل کے ساتھ پارلیمانی جمہوریت کو ہی اسلامی اصولوں کے مطابق فروغ دیا جا سکتا ہے ۔ اس طرز حکومت سے ہی مسلم روایات، نظریات اور اقدار کا تحفظ ممکن ہے ۔ ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی دربار سے خطاب کے دوران قائداعظم نے کہا کہ "بلوچستان میں ایسی انتظامیہ کا قیام ہمارا مقصد ہے جو عوام کی خواہشات کے مطابق ہو ۔ ایسی سکیم کے تیار کرنے میں ہمارے پیش نظر مسلم جمہوریت کے اصول ہیں ۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہمارے مسائل کا حل ان سنہری اصولوں کی پیروی میں ہے جو ہمارے عظیم قانون عطا کرنے والے رسولؐ نے ہمیں دیئے ۔ آیئے ہم صحیح اسلامی نظریات اور اصول کی بنیاد پر اپنی جمہوریت کی بنیادیں استوار کریں ۔ ارشاد خداوندی نے ہمیں درس دیا ہے کہ ریاستی امور میں ہمارے فیصلے باہمی بحث اور مشوروں سے ہونے چاہئیں" (۴) ۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے آسٹریلوی عوام کے

لئے ریکارڈ کی جانے والی تقریر میں کہا " ہم اسلامی بھائی چارے کے ممبران ہیں جس میں ہم سب برابر ہیں ' مساوی حقوق رکھتے ہیں ' عزت و وقار میں برابر کے حصہ دار ہیں ۔ نتیجتاً " ہم میں خاص قسم کا جذبہ اتحاد ہے ۔ لیکن ہمیں سمجھنے میں کہیں غلطی نہ کریں ۔ پاکستان میں ملائیت یا اس قسم کی کوئی اور چیز نہیں ہے ۔ اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے لوگوں کی طرف فراخدلی کا مظاہرہ کریں ۔ پاکستان میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے سب پاکستانی شہری ہیں بشرطیکہ وہ سچے اور وفادار شہری بن کر رہیں ۔ ان کو مسلمانوں کے برابر مساوی شہری حقوق حاصل ہیں ۔ نہ صرف ہم مسلمان ہیں بلکہ ہماری اپنی تاریخ و ثقافت اور روایات ہیں پھر ہمارے اپنے خیالات اور اپنا نظریہ حیات ہے جس نے ہم میں جذبہ قومیت بیدار کیا ۔ بر صغیر ہندوپاک میں صدیوں تک ہمیں ایک خاص مقام حاصل رہا ۔ ایک وقت تو انتہائی اہم مقام ۔ یہ اسوقت تھا جب ایک ساحل سمندر سے دوسرے ساحل تک مغلوں کی حکومت تھی ۔ ہم اپنے دور ماضی پر صرف تاریخی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالتے ہیں ۔ لیکن اب ہمیں ماضی کے مقابلے میں چھوٹا مقام حاصل ہے ۔ اگرچہ انگلستان کے مقابلے میں یہ بھی چار گنا زیادہ ۔ بہرحال یہ ہمارا ہے ' ہم اس پر مطمئن ہیں ۔ ہمارے اپنے ہمسائیوں کی طرف جارحانہ مقاصد نہیں ہیں ۔ ہم ان کے ساتھ دوستی اور امن سے رہنا چاہتے ہیں ۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں فروغ امن کے لئے اپنے مخصوص انداز سے حصہ لیں " (۵) ۔"

جمہوریت سے یہ مراد نہیں کہ ہم مادر پدر آزاد ہو جائیں ' ہم پر کوئی پابندیاں نہ ہوں ۔ ہم ہر کسی کے حقوق کو پامال کرتے پھریں ۔ قائد کے مطابق جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے کا حق دو ۔ دوسروں کے حقوق سلب کئے بغیر اپنے حقوق حاصل کرو ۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا ۔ " یہ ریاست ہماری اپنی ریاست ہے ۔ ہماری حکومت بھی ہماری اپنی ہے یعنی عوام کی جو کہ ریاست کے لوگوں کے سامنے جوابدہ ہے اور ریاست کی بہتری کے لئے کام کر رہی ہے ۔ آزادی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی کو لائسنس مل گیا ہے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے ۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کے مفاد کو پامال کریں اور جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں ۔ آزادی سے مراد یہ ہے کہ آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی ہے ۔ بلکہ اس کے برعکس حصول پاکستان کے بعد تو آپ کے لئے اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ایک متحد اور منظم قوم کی حیثیت سے کام کریں ۔ یہ تمام باتیں آپ سے تقاضے کرتی ہیں کہ اپنے اندر تعمیری جذبہ پیدا کریں ۔ جھگڑالو جذبہ نہیں جیسا کہ ہم نے کیا ۔ اس دور میں کیا ' جب ہم اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے " (۶) ۔

جمہوریت سے مراد عوام کی حکومت کی راہ استوار کرنا ہے ۔ تمام قومی اور سنگین معاملات میں عوام کی عدالت کی طرف رجوع کرنا مقصود ہے ۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار قائد اعظم نے اپنی ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان سے نشری تقریر میں کیا ۔ آپ نے فرمایا ۔

" یہ سچ ہے کہ بیرونی اقتدار کے خاتمے سے عوام ہی اپنی قسمت کے مالک بن گئے ہیں ۔ انہیں مکمل آزادی ہے کہ وہ آئینی طریقوں سے جیسی چاہیں حکومت بنائیں اور اسے منتخب کریں ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی گروہ غیر قانونی طریقے سے اپنی مرضی کو عوام کی منتخب حکومت پر نافذ کرے ۔ حکومت اور اس کی پالیسیوں کو انتخابات کے ذریعہ عوام ہی بدل سکتے ہیں " (۷) ۔

ایک دفعہ حکومت کو منتخب کرنے کے بعد عوام کے لئے لازمی ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں ۔ کیونکہ حکومتیں روز روز بدلنا ٹھیک نہیں ۔ اس سلسلے میں ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم نے فرمایا ۔

" یاد رکھو کہ آپ کی حکومت آپ کے اپنے باغ کی طرح ہے ۔ جتنی آپ اس کی دیکھ بھال کریں گے اتنا ہی آپ کا باغ فروغ پائے گا ۔ اس طرح آپ کی حکومت جذبہ حب الوطنی ' ایمانداری اور تعمیری محنت سے ترقی کر سکتی ہے " (۸) ۔

قائد اعظم چاہتے تھے کہ ان تمام نظریات کو آئین میں سمو دیا جائے ۔ یا اس کو یوں کہنا چاہئے کہ آئین کو مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق استوار کرنا چاہئے ۔ فروری ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم نے آئین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ۔

" پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کو ابھی ملکی آئین بنانا ہے ۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی حتمی شکل کیا ہونی ہے ۔ لیکن مجھے یہ یقین کامل ہے کہ یہ جمہوری طرز کا ہو گا جس میں اسلام کے بنیادی اصول سموئے جائیں گے ۔ اسلامی اصول حقیقی زندگی میں آج بھی اس طرح لاگو کئے جا سکتے ہیں جس طرح کہ آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے لاگو کئے گئے ۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا درس دیا

ہے ۔ اس نے انسانی مساوات ' انصاف اور حق پرستی کا ورس بھی ہمیں دیا ۔ ہم زریں روایات کے امین ہیں اور ہم اپنی ان ذمہ داریوں سے بخوبی واقف ہیں جو ہمیں پاکستان کا آئین بنانے میں سرانجام دینا ہیں ۔ کسی صورت میں بھی پاکستان ملاؤں کی ریاست نہیں بنے گا ۔ یعنی ایسی صورت حال جس میں مولوی حکومت کریں ۔ ہمارے پاس بہت سے غیر مسلم ہیں یعنی ہندو ' عیسائی اور پارسی وغیرہ ۔ لیکن وہ تمام پاکستانی ہیں ۔ انہیں وہی حقوق اور مراعات حاصل ہونگی جو دوسرے شہریوں کو حاصل ہیں اور پاکستانی امور میں جائز کردار ادا کرنے کے اہل ہونگے " (۹)۔

ملکی آئین جمہوری ہونے کے ساتھ ساتھ وفاقی ہونا چاہئے ۔ جس میں وفاق کو صوبوں کی مرضی کے مطابق کام کرنا چاہئے ۔ یعنی ایسا آئین ہونا چاہئے جس میں آئین سازی صوبوں کی مرضی سے ہونی چاہئے ۔ جس کا مطلب یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ آئین سازی کے بعد اگر آئین میں کوئی تبدیلی ضروری سمجھی جائے تو مرکز کو آئین میں ترمیم صوبوں کی مرضی سے کرنی چاہئے اس سلسلے میں امریکی وفاقی نظام کی مثال قائد اعظم کے ذہن میں تھی ۔ جو کہ برطانوی نظام کے برعکس ہے یہ شاید اس لئے تھا کہ معاشرتی تشکیل کے حساب سے اگرچہ پاکستانی معاشرہ اپنا ایک خاص وجود اور مقام رکھتا ہے ۔ لیکن مماثلت کے اعتبار سے اگر اسے کسی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے تو وہ امریکی معاشرہ ہے ۔ جو کہ نسل اور رنگ کے اعتبار سے کئی نسلوں اور رنگوں کا مجموعہ ہے ۔ اس لئے اگست ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر ہند لارڈ مانٹیگو کے سامنے ہوم رول لیگ کی قیادت کرتے ہوئے قائداعظم نے جو آئینی تجاویز پیش کیں اس میں صوبوں کی تشکیل ' صوبائی خود مختاری اور وفاق اور صوبوں کے تعلقات کے بارے میں جو نظریات پیش کئے وہ زیادہ تر امریکی آئین سے مماثلت رکھتے تھے (۱۰) ۔ اس کے علاوہ دو سال بعد جب اگست ۱۹۱۹ء میں آپ مسلم لیگ کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے برطانوی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے اپنے خیالات کے اظہار کے ساتھ ساتھ امریکی جمہوریت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا (۱۱)۔

پاکستان میں جمہوریت کے فروغ کے لئے قائداعظم نے ضروری سمجھا کہ سیاسی جماعتیں اپنا بھرپور کردار ادا کریں ۔ کیونکہ یہ سیاسی جماعت ہی ہے جو عوام کو ایک مقصد کے تحت منظم رکھتی اور انتخابات میں جیت کر حکومت بناتی ہے ۔ اس طرح معرض وجود میں آئی ہوئی حکومت ایک مقررہ وقت تک حکومت کرکے دوبارہ عوام کے سامنے پیش ہوتی ہے اور انتخابات کرواتی ہے ۔ اگر عوام چاہیں تو حکومت کو رد کر دیں اور اگر عوام حکومت کی پالیسیوں کو پسند کرتے ہیں تو وہ اس پارٹی کی حکومت کو دوبارہ منتخب کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں ۔ اس طرح عوام کی حکمرانی کو پارٹی یقینی بناتی ہے ۔ پھر اس کا یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں تنظیم پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ دوسروں کے حقوق کے پاسبان بھی بن جاتے ہیں ۔ اس طرح عوام میں پارٹی کے ذریعہ اجتماعی احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے جو کہ ملک میں جمہوریت اور قومیت کے فروغ کے لئے بہت ضروری ہے ۔

ملک میں جمہوریت کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ آزاد اور ذمہ دار رائے عامہ کو فروغ بخشا جائے ۔ آزاد رائے عامہ وہی ہو سکتی ہے جو عوامی امنگوں کے مطابق ہو ۔ قومی شعور کو بیدار کرے ۔ قومی شعور کے بیدار کرنے سے ہی عوام میں خود اعتمادی پیدا ہو سکتی ہے ۔ جو کہ اچھی سوچ اور اچھے کردار کے فروغ کے لئے بہت ضروری ہے (۱۲)۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ذرائع ابلاغ آزاد ہو کر احساس ذمہ داری سے کام کریں ۔ احساس ذمہ داری سے مراد یہ ہے کہ پریس اور ذرائع ابلاغ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ملک اور قوم کے مفاد کی بہتری کس میں ہے ۔ اچھی روایات اور اقدار کا نہ صرف تحفظ کیا جائے بلکہ انکو مزید فروغ بخشا جائے ۔ برائیوں کے قلع قمع کرنے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ مل کر تبلیغی جہاد کریں (۱۳)۔

قائد اعظم نے تمام زندگی پریس کی آزادی کے لئے کام کیا۔ بمبئی ہائی کورٹ میں کئی مقدمات کی پیروی قائداعظم نے اسی سلسلے میں کی ۔ ۱۹۱۶ء میں جب پہلی بار قائداعظم کی سربراہی میں ہندو مسلم جدوجہد آزادی کی تحریک نے زور پکڑا تو قائد اعظم کے اخبار بمبئی کرانیکل کے خلاف برطانوی اخبار " برٹن " نے الزامات لگائے ۔ چونکہ یہ اخبار متحدہ تحریک آزادی کے لئے اہم کردار ادا کر رہا تھا تو حکومت کے ایما پر ہارنیمین کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ۔ ہارنیمین کی طرف سے قائد اعظم نے بمبئی ہائی کورٹ میں " برٹن " کے ایڈیٹر کے خلاف مقدمہ دائر کیا تاکہ غلط پروپیگنڈہ کرنے پر ایڈیٹر کو سزا دلوائی جائے اور یہ ظاہر کیا کہ پریس کی آزادی کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ایک اخبار دوسرے اخبار یا اس کے ایڈیٹر پر بے بنیاد الزامات

عائد کرے ۔ جبکہ کرانیکل اخبار ایسا اخبار ہے جو کہ عوام کی سیاسی آزادی کے فروغ کے لئے کام کر رہا ہے (۱۴) ۔ اس طرح عدالت میں جرات کے ساتھ اپنے حقوق کا بمبئی کرانیکل نے دفاع کیا ۔ اس سے اس قدر سیاسی سرگرمیاں فروغ پا گئیں کہ حکومت کو اگلے سال کے آخر میں پھر بمبئی کرانیکل کو چیک کرنا پڑا ۔ لیکن ایک دوسرے بہانے سے اس اخبار کے ایڈیٹر ہارنیمن کو دو ہزار روپے میں سکیورٹی جمع کروانے کو کہا گیا ۔ اس کو بھی قائد اعظم کی وکالت کے ذریعہ ہارنیمن نے عدالت میں چیلنج کیا ۔ اگرچہ حکومت سے سیکیورٹی تو معاف نہ کروائی جا سکی کیونکہ قانون نے حکومت کے ہاتھ بہت مضبوط کئے ہوئے تھے لیکن قائداعظم اس مقدمے کو وائر کر کے اخباروں میں پبلسٹی کے ذریعہ آزادی پریس کے مقصد کو عوام کے سامنے پیش کر کے رائے عامہ استوار کرنے میں کامیاب ہوئے (۱۵) ۔ بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر ہارنیمن کے خلاف انگریزوں کو سخت غصہ تھا کیونکہ ہارنیمن واحد انگریزی نژاد باشندہ تھا جو کہ برصغیر میں جدوجہد آزادی کے لئے کام کر رہا تھا ۔ اس کی تحریروں نے آزادی کے مقصد کو بہت آگے بڑھایا ۔ پھر اس کی تحریروں نے نہ صرف آزادی بلکہ قائد اعظم کے نظریات کو عوام میں مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ۔ اس لئے حکومت اس کوشش میں تھی کہ ہارنیمن کو اس مقصد سے باز رکھا جائے اور ہندوستان میں انگریزی راج کی مدت کو بڑھایا جائے ۔ حکومت نے تمام حربے استعمال کر لئے لیکن قائداعظم کی وکالت کے سامنے ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی ۔ آخر کار حکومت نے بمبئی کا نیا گورنر لائڈ جارج کو مقرر کیا ۔ اس نے آتے ہی وزیر ہند اور وائسرائے کے مشورہ سے ایک منصوبہ بنایا ۔ جس کے تحت ۲۶ اپریل ۱۹۱۹ء کی رات کو ہارنیمن کو بحری جہاز میں سوار کروا کر انگلستان روانہ کر دیا گیا اور پھر اسے کافی عرصہ ہندوستان واپس آنے نہ دیا گیا ۔ اس طرح انگریزی حکومت نے ہارنیمن کا قصہ تمام کر دیا اور پھر اخبار کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کو ڈرایا دھمکایا گیا اور ان کو متاثر کر کے اخبار کا نیا ایڈیٹر بیکتھال کو مقرر کیا ۔ بیکتھال نے حکومت کے مقاصد کے لئے درپردہ کام کیا ۔ قائد اعظم اس بات پر آرام سے نہیں بیٹھے ۔ اگرچہ وہ اس کام میں اکیلے رہ گئے کیونکہ آپ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین تو تھے تاہم خفیہ طور پر تمام ڈائریکٹرز حکومت سے مل چکے تھے ۔ پھر بھی قائد اعظم نے گورنر سے ملاقات کی لیکن چند ہفتے بند رہنے کے بعد اخبار کی اشاعت دوبارہ شروع ہو گئی ۔ لیکن وہ بات نہ رہی جو پہلے تھی ۔ تاہم قائد اعظم نے ہر پارٹی اور پلیٹ فارم سے ہارنیمن کی واپسی کا مطالبہ کیا اور انگریزی حکومت کے ظلم و جبر کو اجاگر کیا تاکہ پریس کی آزادی برقرار رہے ۔ اس طرح بعد میں بھی قائداعظم نے بارہا پریس کی آزادی کے لئے جہاد کیا اور قانونی جنگ جاری رکھی ۔ ملک میں جمہوریت اور قومی اقدار کے فروغ کے لئے قائداعظم نے ضروری سمجھا کہ جب تک سیاست میں صاحب کردار لوگ آگے نہیں آتے عوام آزادی سے چھٹکارا نہیں ہو سکتے ۔ اس موضوع پر قائد نے بارہا اظہار کیا ۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں مسلم طلبہ نے ایک مذاکرہ کروایا جس کی صدارت قائد اعظم نے کی ۔ بمبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے کردار کی اہمیت کے بارے میں سیر حاصل مقالہ پیش کیا ۔ اس کے بعد قائد اعظم نے صدارتی کلمات میں کہا کہ کردار کی اہمیت انسانی زندگی میں سب سے زیادہ ہے ۔ اپنی زندگی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے طالبعلمی کے زمانے میں جب انگلستان میں تھا تو دادا بھائی نارو جی کے کردار سے بہت متاثر ہوا (۱۶) ۔ اس طرح انسان کی زندگی بنانے میں اس کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ بعد میں بھی قائد اعظم نے کئی بار اس موضوع پر اظہار خیال کیا ۔ یہ تصور قائد اعظم نے اسلام سے لیا ۔ کیونکہ اسلام میں بھی کردار کی اہمیت کو بہت اہم مقام حاصل ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی نیک اور عبادت گزار کیوں نہ ہو ' اگر وہ صاحب کردار نہیں تو اس کو خدا اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مقبولیت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب میں بھی کردار کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ۔ حتیٰ کہ جدید نظریات نے بھی اس کی اہمیت کو ثابت کر دیا ۔

آیئے اب ہم ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ قائد اعظم کا اپنا کردار یعنی قول و فعل قیام پاکستان سے قبل کیسا رہا ؟ کیا وہ جمہوریت کے داعی تھے ؟ پھر کس قسم کی جمہوریت کے داعی ؟ کیونکہ کانگرسی لیڈر بھی تو جمہوریت کے پاسبان سمجھے جاتے تھے ۔ اگر ایسا تھا تو پھر قائد اعظم نے اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ راستہ کیوں منتخب کیا ؟ اس کا قائد کے جمہوری خیالات پر کیا اثر پڑا ؟ پھر پارٹی کے کردار کے بارے میں آپکے کیا نظریات تھے ؟ اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کی جماعت کے طور پر منظم کرنے میں آپ نے کیا اہم کردار ادا کیا ؟ یہ وہ سوالات ہیں جنہیں اجاگر کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ان کے جوابات سے ہی قائد اعظم کی جمہوریت پسندی کھل کر

سامنے آئے گی۔

قائد اعظم کا خیال تھا کہ جمہوریت ایسے ممالک میں زیادہ فروغ پا سکتی ہے جہاں کا معاشرہ زیادہ منظم ہو۔ معاشرے کے منظم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے لوگ مشترکہ تہذیب و تمدن رکھتے ہوں اور تعلیم یافتہ ہوں۔ ان کے مذہبی خیالات ملتے جلتے ہوں۔ ان کے مقاصد ایک ہوں۔ ماضی سے ان کے رشتے مشترکہ انداز سے وابستہ ہوں۔

اسی لئے آپ نے برصغیر پاک و ہند کو بھی ایک منظم معاشرہ قرار نہیں دیا۔ آپکے خیالات کے مطابق ہندوستان میں کئی معاشرے موجود ہیں جن میں مسلمان معاشرہ اور ہندو معاشرہ تو واضح حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح کے دیگر معاشرے بھی وجود رکھتے ہیں جیسا کہ جنوبی ہند میں دراوڑ معاشرہ۔ لیکن یہ معاشرے ابھی منظم نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی جماعت یا سیاسی تنظیم موجود ہے جو ان میں مشترکہ سوچ پیدا کر سکے۔ اپنے ان خیالات کا اظہار قائد اعظم نے اپریل ۱۹۴۱ء میں اجلاس مسلم لیگ منعقدہ کے صدارتی خطبے میں کیا (۱۷)۔

اگرچہ قائداعظم نے اس بات پر تحریک پاکستان کے دوران یعنی ۱۹۳۷ء کے بعد بہت زور دیا اور پاکستان کا مطالبہ منظم مسلم معاشرے کی بنیاد پر کیا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ قائداعظم کے خیالات کانگرس سے وابستگی کے دوران مختلف تھے۔

قائداعظم نے کانگرس سے ہم خیالی کا اظہار تو ۱۸۹۵ء میں کیا جب وہ ابھی انگلستان میں ہی تھے انہوں نے بار ایٹ لاء کا امتحان تو پاس کر لیا تھا لیکن ابھی ڈگری ملنے میں ایک سال باقی تھا۔ قائداعظم نے یہ فراغت کا سال یوں ہی نہیں گزارا۔ بلکہ اس میں اپنے سیاسی مطالعہ کو بڑھایا جس کے لئے آپ برطانوی میوزیم کے ممبر بنے اور دیگر انجمنوں کے بھی ممبر ہوئے۔ پھر برطانوی عدالتوں کا سروے بھی کرتے رہے یعنی وہاں جاتے وہاں کے مقدمات کو سنتے ججوں کے طریقہ کار کو گھنٹوں دیکھتے رہتے۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھ کر اجلاسوں کی کارروائی سنتے رہتے (۱۸)۔ اس طرح آپ نے برطانوی سیاسی جمہوری اور عدالتی اداروں کا تقریباً ایک سال تک گہری سوچ اور لگن سے عملی مطالعہ کیا اور ان کے عملی مظاہروں سے قائداعظم کے جمہوریت کے بارے میں نظریات راسخ ہو گئے۔ اگلے سال یعنی ۱۸۹۶ء میں قائداعظم وطن واپس آئے تو بمبئی ہائی کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا۔ آپ نے وکالت کے ساتھ ساتھ بمبئی کی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا جس کا باقاعدہ آغاز ۱۸۹۷ء میں ہوا۔ ایک کانگرسی کی حیثیت سے آپ نے انجمن اسلامیہ بمبئی کے اجلاسوں میں باقاعدہ طور سے شرکت کی (۱۹)۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے بمبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۰۴ء میں آپ بمبئی کارپوریشن کے جسٹس آف پیس of Peace Justice منتخب ہوئے (۲۰)۔ یہ انتخاب دو سال کے لئے تھا۔ دو سال بعد آپ نے انتخاب میں بھرپور حصہ لیا اور پھر منتخب ہو گئے۔ اس سے آپ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن چونکہ حکومت نے انتخابات میں دھاندلی کروائی تھی جسکے نتیجے میں آپ کے لیڈر سرفیروز شاہ ہار گئے تھے۔ لہٰذا آپ نے احتجاجاً استعفے دے دیا (۲۱)۔ ۱۹۰۶ء میں آپ بمبئی کی سیاست سے باہر نکلے اور ملکی سیاست میں حصہ لینے کے لئے کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس آل انڈیا اجلاس میں آپ نے مسلمانوں کے مسائل پر ہی گفتگو کرنا بہتر سمجھا اور آپ نے مسلم وقف اور آزادی ہند میں مسلمانوں کے کردار کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ قائداعظم ۱۹۲۰ء تک کانگرس سے وابستہ رہے۔ اس طرح ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۰ء تک آپ کانگرس میں رہے (۲۲)۔

جہاں تک مسلم لیگ سے قائد اعظم کے تعلق کا معاملہ ہے تو اس بارے میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قائد اعظم نے مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت تو ۱۹۱۰ء سے شروع کر دی تھی (۲۳)۔ لیکن باقاعدہ طور پر اس کی ممبر شپ ۱۹۱۳ء میں اختیار کی (۲۴)۔ اور پھر کانگرس۔ مسلم لیگ اتحاد کے لئے کوشاں ہوئے جو کہ آپ نے چند سالوں میں حاصل کر لیا۔ اس طرح دسمبر ۱۹۱۶ء میں آپکی کوششوں سے دونوں جماعتوں میں لکھنؤ معاہدہ طے پا گیا (۲۵)۔ یہ اتحاد ۱۹۲۰ء تک موجود رہا۔ بعد میں گاندھی کی پالیسیوں کی وجہ سے یہ اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علی برادران اور دیگر ناعاقبت اندیش مسلم لیڈروں نے خلافت کے نام پر کانگرس کا ساتھ دیا۔ قائداعظم واحد لیڈر تھے جو اس سازش کو پہلے ہی سمجھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے لئے کانگرس کو چھوڑنا ہی بہتر سمجھا لیکن علی برادران اور دیگر مسلم زعماؤں کو یہ بات بڑی دیر بعد سمجھ آئی۔ لیکن اس کا کیا فائدہ جب ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہندو ہندو کے خلاف ہو گیا اور مسلمان مسلمان کے خلاف ہو گیا۔ اس میں ہم

قائداعظم کو قصور وار قرار نہیں دے سکتے بلکہ قائداعظم تو وقتاً" فوقتاً" لوگوں اور دیگر لیڈروں کو خطرات سے آگاہ کرتے رہے۔ اس بات کے اصل قصور وار مہاتما گاندھی تھے جس کو انگریزوں نے ہندو اور مسلم معاشروں کے اندرونی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اس سے برطانوی راج کی مدت میں مزید توسیع ہو گئی۔ اور آزادی کی تحریکیں آپس میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے کمزور پڑ گئیں۔

۱۹۲۰ء تک قائد اعظم کانگریس میں رہے اس وقت قائد اعظم نے لکھنؤ معاہدے کی بنا پر ہندو مسلم اتحاد قائم کیا۔ یہ اتحاد دراصل ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان تھا۔ ایک بڑی اور دوسری چھوٹی۔ اس طرح قائد اعظم چاہتے تھے کہ ہندو معاشرہ بھی قائم رہے اور مسلم معاشرہ بھی اپنا وجود نہ کھوئے۔ ان کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ دونوں کی الگ الگ جماعتیں کام کرتی رہیں اور اپنے اپنے عوام کی خواہشات اور مفادات کا تحفظ کرتی رہیں۔ اس طرح یہ اتحاد دونوں قوموں میں تھا' نہ یہ کہ دونوں مل کر ایک قومیت میں ضم ہو جائیں۔

قائد اعظم کا یہ نظریہ ان کی اپنی تخلیق نہ تھا بلکہ برصغیر جنوبی ایشیا کے سماجی اور مذہبی حالات کے مطابق سیاسی حل پیش کرتا ہے۔ کیونکہ دونوں قومیں اپنے وجود کو کھونے کے لئے تیار نہ تھیں اور نہ ہی اپنے مفادات کو قربان کرنے کو۔ اسی لئے قائد اعظم نے سماجی اور مذہبی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کا سیاسی حل پیش کیا۔ یہ اسی وجہ سے تھا کہ قائداعظم دونوں قوموں میں اتحاد' قانون اور آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ کی نظر میں لکھنؤ معاہدہ ایک قانونی اور آئینی ڈھانچہ تھا جس کے مطابق مرکز میں مسلمانوں کو پارلیمانی اور انتظامی اداروں میں ایک تہائی حصہ دیا جانا قرار پایا۔ اس طرح جمہوریت کی ورکنگ آئین اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہونا تھی۔ یہ نہیں کہ برطانوی جمہوریت کے اصول کے طابق صرف اکثریت کے بل بوتے پر کانگرس مسلمانوں کے مفادات کو پامال کرتی پھرے (۳۶)۔

اس طرح جمہوریت کی ورکنگ کو ہندوستانی معاشروں کے تابع بنایا گیا۔ یہ نہیں کہ جمہوریت ایسا کرے جس سے ایک معاشرہ دوسرے معاشرے پر حاوی ہو جائے اور پھر مسلمانوں کو پہلے ہی ایسے خطرات نظر آ رہے تھے کہ کانگرس کی جمہوریت کا مقصد ہندو معاشرے کو مسلم معاشرے پر غلبہ دلانا تھا۔ اس بات کو ماننے کے لئے مسلمان کبھی بھی تیار نہ تھے جس کی ترجمانی مسلم لیگ نے کی اور مسلم لیگ اور مسلم سوچ کی ترجمانی قائد اعظم نے کی۔ پھر کانگرس کے پلیٹ فارم پر قائد اعظم کا انداز گفتگو بھی ایسا ہی تھا۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ مسلم مفاد کے مطابق تھا ان کے کہنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کانگرس میں ہونے کے باوجود ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے تھے جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو۔ اسی سوچ کے مطابق قائداعظم نے کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین لکھنؤ معاہدہ کروایا۔ تاہم کانگرس کی ممبر شپ کے دوران ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ قائداعظم نے ۱۹۱۰ء کے اجلاس کانگرس میں ایک قرار داد پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جداگانہ سلسلہ نیابت کو بلدیاتی اداروں تک نہ بڑھایا جائے۔ لیکن قائداعظم نے ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا کہ ان کی یہ سوچ کسی اور وجہ سے ہے جس کو آپ نے ذاتی کہہ کر ختم کر دیا (۳۷)۔ اس طرح قائداعظم نے یہاں بھی ظاہر کر دیا کہ مسلم سوچ کبھی بھی مسلم جداگانہ طریق انتخاب کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

۱۹۲۰ء میں جب گاندھی اور کانگرس نے اپنے آپ کو آئینی پابندیوں سے آزاد کر لیا۔ جس کا عملی مظاہرہ گاندھی نے خود پارٹی قوانین کو توڑ کر اکثریت کے بل بوتے پر کرنے کا اظہار کیا تو قائداعظم نے بھانپ لیا کہ اب گاندھی اور کانگرس کا اصل مطلب برصغیر میں ہندو راج کا قیام ہے۔ جسے کسی صورت میں بھی قائد اعظم اور مسلم لیگ قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے قائد اعظم نے کانگرسی جمہوریت چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کی جس کا مطلب مسلم قوم اور برصغیر کی دیگر چھوٹی اقوام کے مفادات کا تحفظ تھا۔ اسی مقصد کے حصول کے تحت آپ نے ۱۹۲۰ء کے بعد اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیا۔ اسی لئے جب مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قرار داد پاکستان پاس کی گئی تو اس میں مسلم ریاست کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے بھی مطالبہ کیا گیا۔

انگریزی حکومت' کانگرس اور گاندھی کی اصل دشمنی مسلم قوم سے تھی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلم قوم میں اگر کوئی شخص تنظیم و اتحاد پیدا کر سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف قائداعظم ہے۔ اس لئے انہوں نے ۱۹۲۱ء سے لیکر ۱۹۳۶ء تک کوئی موقع قائداعظم کے ہاتھ نہ آنے دیا جس سے وہ مسلمانوں کو منظم کریں۔ کبھی ایک صوبے کے مسلم لیڈروں کو دوسرے صوبوں سے لڑوا کر جیسا کہ پنجاب کے

یونینسٹ لیڈروں نے حکومت اور کانگرس کے ایما پر قائداعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت کی ۔ کبھی مسلم لیگ کے مقابلے میں مذہبی جماعتیں کھڑی کی گئیں جیسا کہ گاندھی اور کانگرس نے جمعیت العلمائے ہند ' خلافت کانفرنس ' احراروں اور خدائی خدمت گاروں کو مسلم لیگ کے مقابلے میں کھڑا کر کے کیا اور مسلم لیگ کے بارے میں طرح طرح کا پروپیگنڈا کیا گیا جس کا خاص مقصد قائد اعظم کی ذات کے بارے میں بداعتمادی کی فضا پیدا کرنا تھا ۔ ۱۹۳۶ء تک تو کانگرس اور برطانوی حکومت اس میں کامیاب رہی کہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے مسلمانوں میں گروہی ' فرقہ وارانہ اور دیگر اختلافات کو ہوا دیکر ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ۔ قائداعظم ایسی ہی سازشوں سے مایوس ہو کر ۱۹۳۰ء میں انگلستان چلے گئے ۔ پھر قائداعظم کو سب سے بڑا افسوس یہ تھا کہ مسلم لیڈر خود بھی تو بات کی حقیقت کو نہیں سمجھ رہے ۔ بلکہ دوسروں کے ہاتھ میں آلہ کار بنے ہوئے ہیں ۔ ۱۹۳۴ء میں قائد اس امید پر واپس وطن آئے کہ مسلم لیڈر شاید حالات کی اصل حقیقت کو سمجھ چکے ہوں لیکن ایسا نہ ہوا تاہم امید ہو گئی ۔ ۱۹۳۷ء میں جب ہندوستان کے ۱۱ صوبوں میں سے ۷ صوبوں میں کانگرس کی حکومت قائم ہو گئی اور کانگرس نے یہ ظاہر کر دیا کہ ان کی حکومت دراصل ہندو راج ہے جس کو مسلمانوں نے محسوس بھی کر لیا تو پھر مسلمانوں کو قائداعظم کی قدر معلوم ہوئی اور وہ گرویدہ ہو کر قائداعظم کی سربراہی میں متحد ہونا شروع ہو گئے (۲۸) ۔ اس طرح ۱۹۳۷ء کے آخر سے مسلم معاشرے کی بنا پر قائد اعظم نے حصول پاکستان کے لئے کوششیں شروع کر دیں ۔ اس لئے پاکستان ان علاقوں پر مشتمل ہونا تھا ۔ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے جیسا کہ پنجاب ' سرحد ' کشمیر ' سندھ ' بلوچستان ' بنگال اور آسام میں تھا ان علاقوں پر مشتمل ملک پاکستان معرض وجود میں لانا تھا ۔ اور اس ملک میں جمہوریت کے مطابق ہی حکومت اور آئین کی تشکیل کرنا تھی ۔

کانگرسی جمہوریت اور مسلم لیگی جمہوریت میں فرق صرف نظریاتی نہیں تھا بلکہ عملی زیادہ تھا جو بعد میں ہوتے ہوئے نظریاتی زیادہ نظر آنے لگا ۔ کانگرسی جمہوریت کا مقصد ہندوستان کو ایک معاشرہ سمجھتے ہوئے ہندو معاشرے کے راج کو دوسرے چھوٹے معاشروں پر مسلط کرنا تھا ' خاص طور پر مسلم معاشرے پر تاکہ ہندو اس بات کا بدلہ لے سکیں کہ مسلمانوں نے ماضی میں ان پر صدیوں تک کیوں حکومت کی اور مسلم معاشرہ کے مذہبی اور سماجی وجود کو ہی کمزور کر دیا جائے تاکہ وہ سیاسی طور پر کبھی بھی اٹھنے کے قابل نہ ہو جیسا کہ یورپ کی سرزمین پر اسپین کے مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں نے کیا ۔ مسلم لیگی اور قائداعظم کی جمہوریت کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایک تو مسلم معاشرے کی تہذیب و اقدار کا تحفظ کیا جا سکے ۔ دوسرے مسلمانوں کے سیاسی وجود کو جنوبی ایشیا میں ہر حالت میں برقرار رکھا جائے ۔ پھر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اقتدار میں آنے کے بعد وہ بھی دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو کانگرس دوسروں کے ساتھ کرنا چاہتی ہے ۔ مسلم لیگی جمہوریت کا مقصد یہ تھا کہ مسلم روایات کا تحفظ کیا جائے اور دیگر چھوٹی اقوام اور اقلیتوں کی تہذیب و تمدن کا تحفظ بھی کیا جائے (۲۹) ۔ اسی لئے پاکستان بننے کے بعد غیر مسلموں کو قائداعظم کے ارشادات کے مطابق آئینی طور پر مساوی حقوق دیئے گئے ۔ پاکستان میں کئی بار آئین بنے اور ٹوٹے لیکن تمام آئینوں میں مذہب ' رنگ اور نسل کی بنیاد پر شہریوں کی تقسیم نہیں کی گئی ۔ بلکہ پاکستان میں بسنے والا ہر شہری خواہ وہ کسی رنگ ' نسل ' مذہب اور علاقے سے تعلق رکھتا ہو مساویانہ شہری حقوق رکھتا ہے (۳۰) ۔

قومیں تنظیم اور عملی یگانگت سے باعزت زندگی حاصل کرتی ہیں ۔ اگر کسی قوم میں اتحاد اور تنظیم نہ ہو تو اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے چاہئے وہ کتنے ہی اچھے نظریات اور تہذیب و تمدن کی امین ہو ۔ اسی لئے قائداعظم نے مسلمانوں کو فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر سوچنے کی تلقین کی اور اتحاد کو بعض اوقات ایمان پر ترجیح دی ۔ اسی لئے آپ نے کئی بار کہا (۳۱) "اتحاد ' ایمان ' اور تنظیم" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اسلام کے خلاف تھے اور ایمان کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر آپس کے اتحاد کے لئے انہیں فرقے کے چند اصول چھوڑنے بھی پڑ جائیں تو اس کے لئے انہیں تیار ہونا چاہئے ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ قائداعظم نے کئی بار " اتحاد ' ایمان اور تنظیم " کی ترتیب سے بھی مسلمانوں کو منضبط کرنے کی کوشش کی ۔ برصغیر کے مسلمانوں میں قوت پیدا کرنے کے لئے قائد اعظم نے ہمیشہ مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے کام کیا ۔ کانگرس میں ہوتے ہوئے بھی اور بعد میں بھی ۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی تنظیم کے لئے بہت ضروری قرار دیا ۔ جیسا کہ آپ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ۔ " آل انڈیا مسلم لیگ ایسی تنظیم کے طور پر معرض وجود میں آئی جس کا مقصد

مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ اس وقت تک مسلمان ہر قسم کی سیاسی شورش سے احتراز کرتے رہے اور فطری طور پر وہ ان آئینی اور انتظامی اصلاحات سے متاثر ہوتے رہے جس کے لئے ہندو سیاستدان حکومت ہند پر دباؤ ڈالتے۔ اس وقت مسلمانوں نے اپنے سیاسی طور پر منظم ہونے کی ضرورت کو زیادہ محسوس کیا۔ جب لبرل وزیر ہند کے ایماء پر تبدیلیوں کے خطرے نے ان میں احساس پیدا کیا کہ کہیں وہ سیاسی طور پر ختم ہی نہ ہو جائیں۔ مسلمان جنہیں اپنے ماضی کی روایات پر ناز تھا ان کے لئے یہی بہتر راستہ تھا' لیکن تعداد کی کمزوری اور طاقت کی کمی کو وہ منظم سیاسی عمل سے ہی پورا کر سکتے تھے۔ پہلی آل انڈیا مسلم لیگ کا بڑا اصول جس پر اس کا انحصار تھا وہ یہ تھا کہ ایسی آئینی تبدیلی جو اس کے سیاسی ارتقاء میں آئے' اس میں مسلم معاشرے کی مضبوط اور غیر متزلزل وحدانیت کو برقرار رکھا جائے۔ مسلم معاشرے کی زندگی اور نظریات کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کا مقصد بھی وسیع ہو گیا ہے۔ مستقبل میں اپنے خیالات اور نقطہ نظر کے لحاظ سے آل انڈیا مسلم لیگ' انڈین نیشنل کانگرس کے مساوی کھڑی ہو گئی ہے اور جذبہ حب الوطنی سے ملک کی ترقی میں حصہ لینے کے لئے تیار ہے۔ درحقیقت تعلیم یافتہ مسلمانوں کا دس سال میں اس طرح تیار ہو جانا میرے خیال کے مطابق اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ ہندوستان کے دوسرے معاشروں کے شانہ بشانہ مشترکہ بھلائی کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ اس سے اس بات کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت اپنے لئے علیحدہ سیاسی تنظیم کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ میں اپنی تمام عمر پکا کانگرسی رہا ہوں اور میں نے کبھی فرقہ واریت کو پسند نہیں کیا لیکن مجھے یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں پر "علیحدگی" کا یکطرفہ الزام فضول اور بے معنی ہے جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ عظیم مسلم تنظیم بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان کو متحد ہونے کے لئے طاقتور عنصر کے طور پر اپنا یہ کردار ادا کر رہی ہے کہ ایک اقلیت میں مکمل طور پر پہلے تحفظ کا احساس پیدا ہونا ضروری ہے۔ پیشتر اس کے کہ وسیع سیاسی شعور کو قومی مفادات کے لئے تعاون کی دعوت دی جائے۔ میرا ذاتی نظریہ چاہے کچھ ہی ہو لیکن میں یہاں مسلم نظریات کی بھاری اکثریت کے اظہار اور اس کے پیش کرنے کے لئے ہوں جن کی سیاسی تنظیم کے طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کام کر رہی ہے (۳۲)۔

۱۹۱۹ء۔ ۱۹۲۰ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی آزاد اور خود مختار حیثیت ختم کر کے کانگرس کی سربراہی میں کام کرنا شروع کر دیا تو مسلمان زعماؤ نے مسلم لیگ کو کانگرس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کیونکہ بعض ایسے مسلمان لیڈر بھی تھے جو گاندھی اور کانگرس کے ایما پر تیار ہو گئے کہ مسلم لیگ کے وجود کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ اسی لئے قائداعظم اور دیگر مخلص لیڈروں نے ۱۹۲۲ء میں منعقد ہونے والے اجلاس مسلم لیگ میں شرکت نہ کی۔ بلکہ ۱۹۲۲ء میں کورم کی کمی کی وجہ سے مسلم لیگ کا اجلاس نہ ہو سکا۔ قائداعظم کی سربراہی میں مخلص مسلم راہنماؤں نے ۱۹۲۲ء میں مسلم لیگ کے احیاء کے لئے کوششیں شروع کر دیں جو کہ اگلے سال کے آخر میں بار آور ہوئیں۔ کانگرس اور گاندھی کا اتنا اثر تھا کہ مولانا محمد علی جوہر ایسے لیڈر بھی ان سے متاثر ہو کر قائداعظم کی مخالفت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کی دیگر جماعتوں یعنی جمعیت العلمائے ہند اور خلافت کانفرنس کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ کی کیا ضرورت ہے۔ تاہم قائداعظم نے اس مخالفت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور مولانا محمد علی جوہر اور دیگر مخالف مسلم لیڈروں کو بھی ۱۹۲۴ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں بلایا۔ بحث و تمحیص سے ان کو قائل کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ہی جماعت یعنی آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہو جانا چاہئے۔ مسلم لیگ ایسی جماعت ہے جو برصغیر کے تمام مسلمانوں (تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ) کی جماعت ہے۔ مسلمانوں کو منظم کرنے کے لئے مسلم لیگ ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ آپکی کوششوں سے دسمبر ۱۹۲۴ء میں مولانا محمد علی جوہر تو قائل ہو گئے لیکن اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے آل پارٹیز کے نام سے کوششیں شروع ہو گئیں جو کہ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون یا عدم تعاون کے نام سے ظاہر ہوا۔ اس طرح مسلم لیگ واضح طور سے دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک جناح گروپ دوسرا شفیع گروپ۔ مسلم لیگ کے اس انتشار نے کانگرسی لیڈروں میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ وہ اگلے سال نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کا حق جداگانہ طریق انتخاب ختم کرا دیں۔ اس آڑے وقت میں قائداعظم نے قوم کی رہنمائی کی اور اپنے ۱۴ نکاتی پروگرام ۱۹۲۹ء میں واضح کیا کہ مسلمان کسی صورت جداگانہ طریق انتخاب سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور مسلم اکثریتی علاقوں کے مفادات کو بھی قربان نہیں کریں گے۔ منزل کی نشاندہی تو قائد نے کر دی لیکن مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہ کر سکے کیونکہ اس وقت سرمایہ دار مسلم لیڈروں کی اکثریت انگریزوں کی

حامی تھی اور جمعیت العلمائے ہند کے علماء کانگرس کا دم بھرتے تھے۔ ان حالات سے مایوس ہو کر قائد اگلے سال انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۳۴ء میں اس امید پر واپس ہوئے کہ وہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کریں۔ ۱۹۳۷ء میں ۷ صوبوں میں کانگرس حکومتوں کے قیام سے جب مسلمانوں نے ہندو راج کو محسوس کر لیا تو قائد اعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت کو صرف ایک سال میں مسلم لیگ کے جھنڈے اور پلیٹ فارم پر متحد کر دیا۔ جب یہ اتحاد پیدا ہوا تو پھر آپ نے مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم قوم کو ان کی منزل پاکستان کی طرف نشاندہی کی۔ اس طرح اتحاد پیدا کرنے کے بعد مسلم قوم کو ان کی منزل دکھائی گئی۔ جسے چند سال میں یعنی ۱۹۴۷ء میں قوم نے آپکی سربراہی میں پا لیا۔ اگر آپکی سربراہی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مسلمان قوم متحد نہ ہوتی تو پاکستان معرض وجود میں نہ آتا۔ کیونکہ یہ مسلم قوم کے اتحاد اور تنظیم کے بل بوتے پر تھا کہ انگریزی اور ہندو مخالفت ماند پڑ گئی اور انہوں نے قیام پاکستان کو بہ امر مجبوری قبول کر لیا۔

تحریک پاکستان کے آغاز میں بھی قائداعظم نے مسلم لیگ کے تنظیمی کردار کو سراہا۔ آپ نے ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء کو جاری کئے گئے ایک اخباری بیان میں کہا۔ " آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی زندہ حیثیت کو ثابت کر دیا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی دنیا میں اب اسے انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جتنا جلد اسے اپنی اس اہمیت کا احساس ہو گا اتنا ہی تمام کے حق میں بہتر ہو گا۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کا تحفظ کر سکتی ہے اور ان کی کھوئی ہوئی سرزمین کو دوبارہ حاصل کرنے پر انہیں متحرک کر سکتی ہے۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے انہیں اپنے ضمیر کو دوبارہ زندہ کرنا ہو گا اور انہیں اپنی اعلیٰ حیثیت اور اصولوں کے تحفظ میں کھڑا ہونا ہو گا کیونکہ یہی اصول عظیم اتحاد کا پیش خیمہ ہیں اور انہیں ایک ہی سیاسی وجود میں ڈھالتے ہیں۔ اے مسلمانو تمہیں ان نعروں اور طعنوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے خلاف لگائے جاتے ہیں جیسا کہ انہیں کبھی فرقہ پرست کبھی ٹوڈی ' یا کبھی قدامت پسند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ روئے زمین پر سب سے بدترین ٹوڈی آج وہ ہے جو بغیر کسی شرط کے کانگرس کا چمچا یا آلہ کار بن گیا ہے اور اپنے آپ کو قوم پرست ظاہر کر کے مسلمان قوم کے خلاف کام کر رہا ہے (۳۳)۔

چند سالوں میں مسلم لیگ قائداعظم کی سربراہی میں جمہوری تقاضوں کے مطابق برصغیر کے ۹۰ ملین مسلمانوں کو منظم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ جس کا اظہار قائد اعظم نے مارچ ۱۹۴۱ء میں لاہور میں طلبہ سے اپنے خطاب کے دوران بڑی خوشی سے اس طرح کیا۔

" جیسا کہ آپ جانتے ہیں ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ ناگفتہ بہ حالت میں تھی اور مسلمانوں کی حالت ایک مردہ قوم کی سی تھی۔ پچھلے تین سالوں میں ' مسلم لیگ نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں اس حد تک تنظیم پیدا کر دی جس سے دوست دشمن سبھی حیران رہ گئے۔ یہ ایک عظیم کارنامہ ہے ' جس کا احاطہ مستقبل کا مورخ کرے گا ' کہ کس طرح اتنے کم عرصے میں ۹۰ ملین مسلمانوں کی بھاری اکثریت ایک پلیٹ فارم پر اور جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ یہ ایسی بات ہے جو مسلمانوں کو اپنی ۱۰۰ سالہ تاریخ میں نظر نہیں آئے گی " (۳۴)۔

اس سے یہ بات بھی منظر عام پر آتی ہے کہ قائداعظم کا تاریخ کا مطالعہ بہت گہرا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ ۱۷۰۷ء میں مغل بادشاہ اورنگزیب کی وفات کے بعد مسلم حکومت کو جو زوال ہوا اسکی سب سے بڑی وجہ ان کے اتحاد کا ختم ہونا اور مسلم قوم کا شیرازہ بکھرنا تھا جس کو انگریزوں اور ہندوؤں نے مزید بڑھا دیا۔ ۱۹۴۱ء میں قائد اعظم مسلمان قوم کو اس مقام پر لے آئے کہ وہ نہ صرف متحد تھے بلکہ کسی کو جرات نہ تھی کہ ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر سکے۔ یہی بات انگریزوں اور ہندوؤں کو حیران کر رہی تھی کہ قائداعظم کس طرح اتنے کم عرصے میں مسلمان قوم کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قائد نے اسی لئے تحریک پاکستان کے دوران مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر آپس میں نہ جھگڑیں ' فرقہ واریت کو ہوا نہ دیں بلکہ اپنی مشترکہ بنیادوں کی طرف نگاہ کریں اس لئے قائد نے بارہا کہا کہ مسلمان قوم کا ایک خدا ہے ' ایک رسول ہے اور ایک کتاب ہے۔ پھر یہ کیوں ایک متحد قوم نہیں ہو جاتے۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی تکرار سے کہا مسلمانوں کی تاریخ ایک ' ان کی روایات ایک جیسی ہیں ان کی تہذیب و تمدن ان کو ممتاز کر کے ہندوؤں سے علیحدہ قوم بناتی ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو وسیع القلبی کے ساتھ اپنے آپکو ایک دوسرے کا بھائی تصور کرنا چاہئے۔ مسلمان عورتیں بھی آپس میں بہنیں ہیں۔ اس طرح کھلے ذہن کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو آپس میں اتحاد ' تنظیم اور یگانگت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ان مشترک ذہنی اور نظریاتی رشتوں کی بنیاد پر مسلمانوں کو ایک منظم قوم کی حیثیت سے زندہ و جاوید رہنا چاہئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قائد اعظم اسلام ' قرآن و

حدیث، سنت رسول ؐ، اسلامی روح، اسلامی تاریخ اور تہذیب و تمدن کی باتیں کرتے تھے تو وہ مولوی کیوں نہ ہو گئے۔ اس کے برعکس قائداعظم مغربی طرز پر تعلیم یافتہ سیاستدان اور ایڈووکیٹ تھے۔ وہ مسلمان تو تھے لیکن مولوی نہ تھے۔ اور نہ ہی وہ مولوی بننا چاہتے تھے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر وہ مولوی ہوتے تو ضرور کسی نہ کسی فرقے کے پیروکار ہوتے۔ اس صورت میں ان کی لیڈر شپ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں مقبول نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کو یہ کہہ دیا جاتا کہ وہ ایک ہی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرے فرقے کے مسلمانوں کو ان سے انصاف کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے قائد کو کبھی طعنہ دیا جاتا کہ وہ اسماعیلی مسلمان ہیں کبھی یہ کہ وہ شیعہ مسلمان یا سنی مسلمان ہیں۔ لیکن قائد نے ہر دفعہ یہی کہا کہ وہ ایک سیدھے سادے مسلمان ہیں جس کا تعلق تمام مسلمانوں میں سے ہے خواہ ان کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

قائداعظم کے خیال کے مطابق ملک میں جمہوریت تبھی پنپ سکتی ہے اگر مسلمانوں میں غربت اور جہالت دور کر دی جائے اور مسلمان معاشرہ اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کی تمیز سے آزاد ہو جائے۔ معاشرے کے تمام طبقوں میں برابری کا احساس پیدا ہو۔ اس لئے فروغ تعلیم کے لئے قائد اعظم نے ۱۹۱۱ء سے بھرپور کوشش کی کہ حکومت کو ملک میں حصول تعلیم کو لازمی قرار دینا چاہئے۔ پھر پاکستان بننے کے بعد بھی آپ نے پاکستان میں تعلیم کے حصول کو لازمی کرنے پر زور دیا۔ اگرچہ وہ صرف ۱۳ ماہ پاکستان کے گورنر جنرل رہے اور پھر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دوسرا بڑا مسئلہ غربت ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ غربت کا خاتمہ کیا جائے کیونکہ خوشحالی سے عوام میں ذہنی بیداری اور شعور پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ جمہوریت کے فروغ کے لئے بہت ضروری ہے۔ پھر اس سے شہری آزادی اور عوام میں انفرادی اور اجتماعی احساس ذمہ داری پیدا کرنے میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔

ملکی آئین کو بھی ایسا ہونا چاہئے جو کہ مسلم روایات اور جمہوری انداز کو ایک ساتھ فروغ دینے کے لئے راہ ہموار کرے اور پھر ان تمام نظریات کو جو پہلے بیان ہو چکے ہیں ان کے سب تقاضوں کو پورا کرے جس کا مقصد یہ ہو کہ حکومت ان اقدار کے فروغ کے لئے کام کرنے کے لئے معرض وجود میں آئے۔ جونہی وہ عوام کا اعتماد کھو بیٹھے ملک میں فوراً انتخابات ہوں تاکہ پرامن طریقہ سے ایک حکومت سے دوسری حکومت کو اقتدار منتقل کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ایک حکومت منتخب ہونے کے بعد مستقل طور پر ملک اور عوام کی قسمت کی مالک بن جائے یا کوئی فوجی یا سول آمر ہمیشہ کے لئے ملک اور عوام کی گردن پر مسلط ہو جائے۔ قائد اعظم کا ایمان تھا کہ پاکستان تبھی فلاحی اسلامی ریاست بن سکتا ہے جب ملک میں جمہوریت ہو اور جمہوری اقدار کو فروغ بخشا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ " قائد اعظم محمد علی جناح کی تقاریر بحیثیت گورنر جنرل ۴۸ ۔ ۱۹۴۷ء " (انگریزی)، کراچی، ۱۹۴۸ء۔ ص ۹۴

۲۔ ایضاً۔ ص ص ۶۸ ۔ ۶۷

۳۔ سید حسن ریاض، " پاکستان ناگزیر تھا "، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۶۰

۴۔ " قائد اعظم کی تقاریر ۴۸ ۔ ۱۹۴۷ء " حوالہ سابقہ، ص ۵۶

۵۔ ایضاً، قائداعظم کی تقریر مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء، ص ۵۸

۶۔ ایضاً، ص ۸۹

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۸۔ ایضاً، اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب، ص ۱۱۱

۹۔ ایضاً، امریکی عوام سے خطاب، ص ۶۵

۱۰۔ ڈاکٹر ریاض احمد، " قائد اعظم محمد علی جناح تشکیلی سال ۱۹۲۰ء ۔ ۱۸۹۲ء " (انگریزی)، اسلام آباد ۱۹۸۶ء، ص ص ۱۵۹ ۔ ۱۷۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۱۲۔ مغربی مفکرین کا اس پر اتفاق ہے۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ڈاکٹر ریاض احمد، " قائد اعظم بطور ایڈووکیٹ "، راولپنڈی، ۱۹۸۷ء ص ۲۴۷ ۔ ۱۸۱۔ اس میں مقدمہ کی پوری تفصیل اور قائد اعظم کے دلائل پیش کئے گئے ہیں جو انہوں نے عدالت میں دیئے۔

۱۵۔ ایضاً، ص ص ۳۷۹ ۔ ۳۶۹

۱۶۔ " بمبئی کرانیکل " (انگریزی)، مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۲۲ء

۱۷۔ سید شریف الدین پیرزادہ، " فاؤنڈیشن آف پاکستان " (انگریزی)، جلد دوم، کراچی ۱۹۷۰ء، ص ص ۶۲ ۔ ۳۶۱

۱۸۔ " قائد اعظم تشکیلی سال ۱۹۲۰ء ۔ ۱۸۹۲ء "، محولہ بالا، ص ۴۷ ۔ ۴۶

۱۹۔ " بمبئی گزٹ "، (انگریزی)، مورخہ ۹ جولائی ۱۸۹۷ء
۲۰۔ " حکومت بمبئی گزٹ "، مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۰۴ء
۲۱۔ انڈیا آفس لائبریری ریکارڈ نمبر ۲۳۲۵/ ۱۳/ v، جلد نمبر ۲۲
۲۲۔ اس کے تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھئے مصنف کی محولہ بالا کتاب، " قائداعظم تشکیلی سال ۱۹۲۰۔ ۱۸۹۲ء "
۲۳۔ " بمبئی گزٹ "، (انگریزی)، مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۱۰ء
۲۴۔ سروجنی نائیڈو، " محمد علی جناح سفیر اتحاد " (انگریزی)، مدراس، ۱۹۱۸ء، ص ۱۱
۲۵۔ " بمبئی کرانیکل " (انگریزی)، مورخہ یکم جنوری ۱۹۱۷
۲۶۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب، " قائداعظم کا تصور اسلام اور پاکستان " (انگریزی) راولپنڈی، ۱۹۹۰ء
۲۷۔ ۲۶ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۱۰ء کو منعقدہ پچیسویں انڈین نیشنل کانگریس کی رپورٹ (انگریزی) ص ص ۹۴۔ ۹۳
۲۸۔ " فاؤنڈیشن آف پاکستان "، جلد دوم حوالہ سابقہ، ص ۶۵۔ ۲۶۴
۲۹۔ ایضاً، ص ص ۳۴۔ ۳۲۷
۳۰۔ ملاحظہ کریں ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۳ء کے آئین
۳۱۔ " قائداعظم کی تقاریر ۴۸۔ ۱۹۴۷ء " حوالہ سابقہ، ص ۳۴
۳۲۔ " بمبئی کرانیکل "، یکم جنوری ۱۹۱۷ء۔ تقریر کا یہ حصہ آج تک کسی کتاب میں نہیں چھپا
۳۳۔ جمیل الدین احمد، " مسٹر جناح کی تقاریر و تحریر "، جلد اول، ص ۳۴۔ ۳۳
۳۴۔ ایضاً، ص ۲۳۲

INSTITUTE'S PUBLICATIONS

Islamabad: The Picturesque Capital of Pakistan, 1982, 78 + xv pp. Rs.40/-.

Kaniz F. Yusuf et al (eds.), *Pakistan Resolution Revisited,* 1990, 680 + xlviii pp., Rs.300/-.

A.D.Muztar, *Shah Wali Allah: A Saint Scholar of Muslim India,* 1979, 235 + xii pp. Rs.45/-.

N.A.Baloch, *The Advent of Islam in Indonesia,* 1980, 77 + 8 pp. Rs.45/-.

Abdus Salam Khurshid, *Newsletters in the Orient,* 1988, 124 + xvi pp. Rs.120/-.

Mohammad Aslam Syed, *Muslim Response to the West: Muslim Historiography in India 1857-1914,* 1988, 163 + xiii pp. Rs.150/-.

A.H.Dani, *History of the Northern Areas of Pakistan,* 1989, 532 + xvi pp. Rs.350/-.

M.Saleem Akhtar, *Sind Under the Mughuls,* 1990, 400 + xxii pp. Rs.250/-.

M.Yusuf Abbasi, *Pakistani Culture: An Historical Perspective,* 1990, 450 pp. Rs. 350/-.

Ikram Ali Malik (ed.), *Muslim League Session 1940 and the Lahore Resolution,* 1990, 406 pp., Rs.225/-.